(۲۴)

جو کام شروع ہو چکا ہے اسے مردانہ وار انجام کو پہنچاؤ

(فرمودہ ۴۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

جو واقعات دنیا میں انسان کے اپنے ارادہ یا بغیر ارادہ کے ظاہر ہوتے ہیں وہ سب کے سب اپنے اندر ایک اخفاء کا پہلو رکھتے ہیں ہم انکے اختتام تک پہنچنے سے پہلے یا ان کا انجام ظاہر ہونے سے قبل یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ ہمارے لئے خیر کا موجب ہوں گے یا شر کا۔ بسا اوقات ایک چیز ہماری خواہشات اور امنگوں کو برانگیختہ کر دیتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ چیز ہمیں نہ ملی تو نہ معلوم کتنا بڑا نقصان ہوگا لیکن جب وہ ملتی ہے تو بجائے اس کے کہ ہمارے لئے راحت، چین یا سُکھ کا موجب ہو وہ دکھ اور تکلیف کا موجب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایک چیز جو ملی ہوتی ہے جب کھوئی جاتی ہے تو خیال ہوتا ہے نہ معلوم اس کے کھوئے جانے سے ہمیں کیا کیا نقصان برداشت کرنے پڑیں گے لیکن اس کے کھوئے جانے کے اندر ایسی ایسی برکتیں اور رحمتیں ہوتی ہیں جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ پس جب تک کوئی چیز اپنے انجام کو نہیں پہنچ جاتی وثوق یا یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے لئے وہ نقصان کا موجب ہوگی یا فائدہ کا۔

میری عدم موجودگی میں یہاں ایک مذبح خانہ کھلا تھا جو میری عدم موجودگی میں ہی گرا بھی دیا گیا۔ میری عدم موجودگی میں ہی یہاں برطانوی حکومت کے زیر حفاظت گائے ذبح کرنے کا کام شروع بھی ہوا اور میری عدم موجودگی میں ہی بند بھی ہو گیا۔ گائے کے ذبح کرنے کے سوال کے متعلق ہماری جماعت کے دوست اور دوسرے لوگ بھی قادیان میں بھی اور باہر بھی اس امر

کے خواہش مند تھے کہ کسی طرح ذبح کرنے کی اجازت ہو جائے۔ مگر جیسا کہ دوست جانتے ہیں میں ہمیشہ اس میں روک ڈالتا رہا اور روک ڈالنے کی وجہ یہ تھی کہ ہم لوگ ایک خاص کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمام دنیا سے علیحدہ کر کے تبلیغِ اسلام کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ میں ڈرتا تھا کہ ایسا نہ ہو اس سے ہم اپنے کام سے دور ہو جائیں اور ہماری توجہ بعض دوسرے امور کی طرف جو خواہ کتنے بھی ضروری کیوں نہ ہوں مگر ہمارے اصل مقصد پر مقدم نہیں ہو سکتے نہ پھر جائے اور اس کے علاوہ یہ وجہ بھی تھی کہ قدرتی طور پر میری طبیعت اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ دوسرے کا لحاظ کرنے پر بسا اوقات میں مجبور ہو جاتا ہوں۔ پس مجھے پسند نہیں تھا کہ ہماری جو ہمسایہ اقوام ہیں ان کے احساسات کا لحاظ جس حد تک ہم کر سکتے ہیں نہ کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو غیبوں کا جاننے والا ہے اور جو اُن باتوں کو دیکھتا ہے جن تک ہماری نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں وہ کچھ اور چاہتا تھا اور اُس کی حکمت کے ماتحت ہماری جماعت اور دوسرے لوگوں کی یہ خواہش بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ میں نے سمجھا اب اِس میں روک ڈالنا مناسب نہیں اور میں نے اجازت دیدی کہ درخواست دیدی جائے۔ میں سمجھتا ہوں وہ دوست جو اِس کے اجراء کے لئے مُصِرّ تھے ان کے ذہن میں یہ حالات نہیں تھے ورنہ وہ بھی میرے مؤید ہوتے اور کہتے اور صبر کر لیا جائے۔ یوں بھی انسان گوشت کھانے سے رک جاتا ہے۔ بیمار ہو جاتا ہے اس لئے گوشت نہیں کھا سکتا یا زیادہ شادیاں کرنی پڑیں یا اولاد زیادہ ہو تو اخراجات بڑھ جاتے ہیں یہ سب حالتیں انسان کو برداشت کرنی ہی پڑتی ہیں۔ پس اگر ان کے ذہن میں یہ باتیں ہوتیں تو ممکن ہے وہ بھی یہی نقطۂ نگاہ اختیار کر لیتے اور خیال کر لیتے گوشت نہ ملا تو نہ سہی یا یہ کہہ دیتے چلو تین آنہ سیر نہ سہی آٹھ آنہ سیر ہی کھالیں گے۔ سیر نہ کھائیں گے آدھ سیر پر ہی گذارہ کر لیں گے۔ لیکن چونکہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ غیب میں کیا مقدر ہے اور انہیں یہی امید تھی کہ ادھر مذبح کُھلا اُدھر گوشت کی کثرت ہو جائے گی اس لئے وہ میرے انکار کو واجب دباؤ خیال کرنے لگے حتّٰی کہ بعض گھبرا کر آئینِ حکومت کے خلاف کارروائیاں کرنے لگے جس کی وجہ سے انہیں سزا دینی پڑتی تھی۔ اور بعض کی چہ میگوئیاں اور اعتراضات جو مجھ تک پہنچتے تھے بتاتے تھے کہ وہ اسے اہم اور ضروری چیز سمجھتے ہیں۔ غرض اس کشمکش میں وہ دن آ گیا کہ میں نے سمجھا غیب کو کھولنا میرے اختیار میں نہیں۔ چونکہ لوگوں کا مطالبہ درست اور جائز ہے مجھے چاہئے غیب کو غیب دان پر چھوڑ دوں اور اجازت

دیدوں آخر درخواست دی گئی اجازت مل گئی مذبح کھل گیا۔ مجھے تو ذاتی طور پر اس کی حاجت نہ تھی اور نہ ہی میں گائے کا گوشت کھانے کا عادی ہوں۔ مجھے تو یہ ہضم بھی نہیں ہوتا بلکہ سوائے ایک دوصورتوں کے جو مجھے مرغوب ہیں گائے کے گوشت سے بعض صورتوں میں مجھے گھن آتی ہے مگر میری مخالفت اس لئے نہ تھی بلکہ اس لئے تھی کہ سلسلہ اور اسلام کا مفاد میرے خیال میں یہی چاہتا تھا۔ مگر گائے کے گوشت کی مسلمانوں کو کچھ ایسی چاٹ ہے کہ اس کی یاد میں وہ تلملا رہے تھے اور میرے متعلق حیران تھے کہ اسے یہ خواہش کیوں نہیں۔ آخر انکی خواہش پوری ہوئی اور دوستوں نے خوب کھایا بھی لیکن پھر خدا تعالیٰ کی مشیّت نے اسے بند کر دیا جس پر ملک میں ایک اصولی سوال پیدا ہو گیا ہے کہ آیا کسی قوم کا یہ حق ہے کہ دوسری قوم کو اس کی جائز اور درست باتوں سے بالجبر روک دے۔

میں چونکہ دو لحاظ سے نہیں چاہتا تھا کہ یہاں مذبح کھلے۔ ایک تو اس لئے کہ اگر نقصان اٹھا کر بھی ہمیں ہمسائیوں کے احساسات کا لحاظ رکھنا پڑے تو کوئی حرج نہیں اور دوسرے اس لئے کہ اس سے ہماری توجہ تبلیغ سے ہٹ کر دوسرے امور میں لگ جائے گی۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو ایک وقت میں ایک سے زیادہ کام کرنے کی قابلیتیں بھی بخشی ہیں مگر جوش پیدا کرنے والے کاموں کے متعلق خدشہ ہوتا ہے کہ دوسرے کاموں سے توجہ پھیر نہ دیں۔ جیسے عدمِ تعاون کے دنوں میں کئی نوجوان تعلیم ترک کر کے اب بے کار پھر رہے ہیں اگرچہ ان میں یہ مادہ تھا کہ وہ تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ ہی ملکی مفاد کی بھی نگرانی کرتے لیکن جوش کی رَو میں انہوں نے تعلیم کو چھوڑ دیا اور عام طور پر ایسے مواقع پر کمزور طبائع جوش کی رَو میں بہہ جاتی ہیں اس لئے ڈر تھا کہ نقصان نہ ہو۔ یا سلسلہ کا کام کرنے والوں پر نوجوانوں کے جوش کو دبانے اور پیدا شُدہ مشکلات کا حل کرنے کی وجہ سے کام کا زیادہ بوجھ نہ پڑ جائے۔ خیر مذبح بنا اور پھر گرا بھی دیا گیا اور اس کے گرنے کے ساتھ ہی حکومت کا رویہ بھی بدلنا شروع ہوا۔ میں نے پہلے ہی لکھا تھا کہ جس وقت سے ملک میں حکومت خود اختیاری کا سوال پیدا ہوا ہے حکومت ہمیشہ زبردست کا ساتھ دینے کی کوشش کرتی ہے کیونکہ کوئی خواہ کتنا بھی دیانتدار ہو اگر اس میں دینداری اور روحانیت نہیں تو وہ قومی مفاد کے مقابلے میں دیانتداری کی کوئی زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ جس کے اخلاق کیسے ہوں وہ جہاں بھی قومی سوال پیدا ہو گا انہیں خیر باد کہہ دیگا۔ اسی لئے

میں نے پہلے بھی کئی بار کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ جوں جوں ہندوستان میں حکومتِ خود اختیاری کا سوال زور پکڑتا جائے گا انگریز زبردست کی طرف جھکتے جائیں گے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں زبردست کی حمایت کے بغیر ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔

آئرلینڈ میں دیکھ لو کیا ہوا۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر حکومت کا ساتھ دیا حکومت نے جب دیکھا کہ ملک میں مخالفت بڑھ گئی ہے تو اس نے ان جانبازوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور ایسے ایسے قوانین پاس کر دیئے جنہیں ان بہادروں نے اپنی حق تلفی سمجھا۔ وہ لوگ ان کے ہم مذہب، ہم قوم اور وفادار تھے لیکن ان تعلقات کے ہوتے ہوئے جب زبردست کے مقابلہ میں ان کی پرواہ نہ کی گئی تو صرف وفاداروں کا جو نہ ان کے ہم مذہب ہیں نہ ہم قوم، ساتھ چھوڑ دینا کونسی اچنبھے کی بات ہے۔ ہندوستان سے علیحدہ ہو کر برطانیہ کچھ بھی نہیں رہتا وہ محض ایک چھوٹی سی ریاست رہ جاتا ہے۔ اس کی تمام شان و شوکت اس کی نو آبادیات سے ہی ہے اور ظاہر ہے کہ چند آدمیوں کی خاطر خواہ وہ اس کے کتنے ہی حامی ہوں اپنی قومی شوکت قربان نہیں کر سکتا۔ یہ نقطہ نگاہ میں نے ہمیشہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا اور بتایا کہ سوراج کے مطالبہ سے پہلے اس بات کو مدنظر رکھ لو اور اپنے حقوق کا انتظام کرو۔ میرے نزدیک ضروری ہے کہ مسلمان آئندہ نتائج پر غور کر کے کوئی صحیح راہ تلاش کریں۔ میں سوراج کا مخالف نہیں بلکہ زبردست مؤید ہوں لیکن جو سوراج اسلام اور مسلمانوں کا نشان ہندوستان سے مٹانے والا ہو اُسے ہم کسی صورت میں منظور نہیں کر سکتے۔ بہرحال موجودہ حالات میں جب حکومت نے دیکھا کہ سکھوں نے بہت جوش کا اظہار کیا ہے تو وہ دبنے لگی اور لگی آنے بہانے بنانے۔ وہی ذمہ وار حاکم جسے ہندوستانیوں کے مطالبات کے جواب میں ہمیشہ پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے ہمارے Man of the Spot کی یہ رائے ہے اسے ہم کس طرح غلط سمجھ سکتے ہیں۔ اس کی رائے بھی غلط قرار پا گئی ہے اور کہا جانے لگا ڈپٹی کمشنر نے بڑی غلطی کی اور حکومت کے منشاء کو صحیح نہیں سمجھا۔ بہرحال ان آثار نے ہماری جماعت پر واضح کر دیا ہے کہ یہ معاملہ سیدھے ہاتھوں طے نہیں ہوگا۔ لیکن جو لوگ سب سے زیادہ جوش دکھاتے تھے اگر اس معاملہ نے طُول کھینچا تو وہی پیچھے ہٹیں گے اور جو سمجھتے تھے اس کے بغیر زندگی نہیں بسر ہو سکتی تھوڑے ہی دنوں میں وہ کہنے لگ جائیں گے یہ فضول بات ہے اس کے لئے اتنے لمبے جھگڑے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ لیکن وہی جو اس وقت بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے

تھے وہی ہوں گے جو مستقل رہیں گے اور کہیں گے یہ بوٹیوں کا سوال نہیں بلکہ حقوقِ ملّی اور قومی وقار کا سوال ہے اور سب سے زیادہ مَیں جس نے گوشت نہیں کھانا تھا اِنْشَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز اس پر قائم رہوں گا اور اگر خدا تعالیٰ نے زندگی دی تو اس مسئلہ کو طے کرا کے چھوڑوں گا۔

اس موقع کے مطابق میں ایک بات سنانا چاہتا ہوں ایک زمانہ میں امریکہ میں انگلستان کی نوآبادیاں تھیں۔ انگلستان میں چونکہ اُس وقت مذہبی اختلاف تھا اور مذہب کے نام پر سخت مظالم ہوتے تھے اس لئے وہابی مزاج انگریز امریکہ چلے جاتے تھے اور اس طرح امریکہ میں ان کی بارہ نوآبادیات قائم ہوگئیں۔ یہ لوگ وہاں جا کر بستے اور اس طرح مظالم سے پناہ لیتے تھے لیکن ان پر حکومت برطانیہ کی ہی تھی۔ کچھ مدت بعد ان لوگوں میں خیال پیدا ہوا کیا وجہ ہے ہم ان لوگوں کی حکومت میں رہیں۔ ان میں بیداری پیدا ہوئی اور انہوں نے برطانیہ سے بعض قوانین نرم یا تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا لیکن برطانیہ نے حکومت کے گھمنڈ میں کہا ہم امریکہ کا کوئی مطالبہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں حتّٰی کہ معمولی معمولی باتوں پر انہیں تنگ کرنے کے لئے گراں قدر ٹیکس لگا دیئے۔ چائے پر ایسی پابندیاں عائد کر دیں کہ اہلِ امریکہ نے کہا ہم چائے کا استعمال ہی ترک کر دیتے ہیں۔ جب یہ حالت ہوئی تو ایک بوڑھے آدمی نے جس کا نام پٹ[1] (PITT) تھا اور جو اس وقت برطانیہ کا وزیر اعظم تھا پارلیمنٹ میں تقریر کی اور کہا دیکھو جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو وہ پوری طرح ہمارے اختیار میں ہوتے ہیں۔ ان کا پاخانہ کرنا' کھانا پینا' پہننا سب کچھ ہماری مرضی پر ہوتا ہے۔ پہلے ان کی زبان نہیں ہوتی پھر وہ ذرا بڑے ہوتے ہیں اور کچھ کچھ باتیں کرنے لگتے ہیں اور ہمیں انکی بعض باتیں ماننی پڑتی ہیں اور بعض رد کر دیتے ہیں آخر جب وہ جوان ہوتے ہیں تو ہم یہ نہیں کہتے کہ آؤ ان کو دودھ پلائیں یا ان کے پوتڑے باندھیں بلکہ انہیں آزادی دے دیتے ہیں کہ اپنے حسبِ منشاء کام کریں ایسی صورت میں ہی وہ ہمارے وفادار رہ سکتے ہیں لیکن اگر جوانی میں بھی ان سے بچپن والا ہی سلوک کریں تو یقیناً رنجش پیدا ہوگی۔ امریکہ کبھی بچہ تھا لیکن اب بالغ ہو چکا ہے سیاسیات سے واقف ہو چکا ہے اب[2] ہمیں چاہیئے اس سے جوان بیٹے والا سلوک کریں۔ لیکن لوگوں نے کہا پٹ بزدل ہے۔ اس کی بات ماننے کے قابل نہیں امریکہ میں قانون ہمارا ہی چلے گا اور ہم ان لوگوں کو کوئی حق نہ دیں گے اس پر بُڈھا پٹ دل شکستہ ہو کر گھر جا بیٹھا۔ آخر امریکہ میں بغاوت ہوئی اور ایسی شاندار بغاوت ہوئی کہ اس کی مثال بہت ہی کم ملتی

ہے۔ امریکہ کے کمزور اور ناتربیت یافتہ لوگوں نے وہ وہ کارہائے نمایاں کئے کہ تاریخ میں پڑھ کر دل وجد کرتا ہے۔ ان کے پاس کوئی سامان نہ تھا' ان کا کوئی نظام نہ تھا لیکن عورتیں بچے بوڑھے سب کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا ہم اپنے ملک کو آزاد کرا کے چھوڑیں گے۔ انگریزوں نے فوج پر فوج بھیجی' بیڑے پر بیڑے اُتارے لیکن انکی چھوٹی چھوٹی کشتیوں اور ناتربیت یافتہ آدمیوں نے ان کی باقاعدہ تربیت یافتہ فوجوں اور بیڑوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اس پر وہی لوگ جو یہ کہتے تھے کہ امریکہ کو کچھ نہیں دینا چاہئے کہنے لگے چھوڑ و اس معاملہ کو' اتنا نقصان برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے امریکہ والے جو کہتے ہیں مان لیا جائے۔ بوڑھا پٹ اُس وقت بہت ضعیف ہو چکا تھا وہ دو چار آدمیوں کے سہارے چل کر پھر پارلیمنٹ میں آیا اور اس نے کہا میں نے پہلے تمہیں ایک مشورہ دیا تھا جو تم نے نہ مانا اس کا انجام دیکھ لیا۔ اب پھر میں کہتا ہوں کہ جو تلوار اٹھ چکی ہے اسے نہ رکھنا جب تک کامیابی حاصل نہ ہو جائے ورنہ تمہارے وقار کو سخت صدمہ پہنچے گا لیکن لوگوں نے کہا یہ سٹھیا گیا ہے اور اس کی کسی نے نہ مانی اور صلح کر لی۔ پٹ تو اس صدمہ سے جان بر نہ ہو سکا لیکن آج انگلستان کے اعزاز کا مقابلہ کرنے والی اور اس کی شوکت کو چیلنج کرنے والی وہی نو آبادیات ہیں جن کو United States of America کہتے ہیں اور آج اگر کسی قوم کے مقابلہ میں انگلستان کی گنّی دبتی ہے تو وہ امریکہ ہی ہے۔ یہ واقعہ ہمارے لئے بہت بڑا سبق اپنے اندر رکھتا ہے میں نے بھی پہلے اپنی جماعت کے دوستوں سے کہا تھا کہ جہاں پہلے گائے کا گوشت نہ فروخت ہونے کی وجہ سے نقصان اُٹھاتے رہے ہو چند سال اور اُٹھا لو جب تک اللہ تعالیٰ اس تمام علاقہ کو مسلمان کر دے لیکن اُس وقت کا انتظار نہ کیا گیا۔ اب جبکہ اس کام کو شروع کر دیا گیا ہے تو اسے اس طرح نبھاؤ کہ ایک طرف تو تبلیغ میں جو ہمارا اصل کام ہے کوئی کمی واقع نہ ہو تا ہم اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے محروم نہ ہو جائیں اور دوسری طرف اس کام سے بھی پیچھے نہ ہٹو جب تک اس میں کامیاب نہ ہو جاؤ۔ ورنہ یاد رکھو ابتدائی ایام میں ہی تمہارے وقار کو وہ صدمہ پہنچے گا کہ پھر سنبھلنا مشکل ہو جائے گا اور تمہاری وہی حالت ہو جائے گی جو کسی شاعر نے بیان کی ہے

؎ پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مُرجھا گئے

تم ابھی غنچہ ہو لیکن کام پھولوں والا کیا ہے ایسا نہ ہو کہ بِن کھِلے ہی مرجھا جاؤ۔ بہتر ہوتا اگر کُلّیۃً اسی کام میں مصروف رہتے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے مخصوص کیا گیا ہے لیکن جب تم نے دوسرے کام میں بھی ہاتھ ڈالا ہے تو تم پر دو ذمہ واریاں عائد ہو گئی ہیں اور دونوں کو نبھانا تمہارا فرض ہے۔ یاد رکھو اگر تبلیغ میں کوتاہی کی تو نہ دین میں تمہارا ٹھکانا ہو گا اور نہ دنیا میں۔ ہمارا کام گائے کھانا نہیں بلکہ قرآن کریم اور اسلام کی اشاعت ہے اگر اس سے غفلت کی تو دونوں جہان میں نقصان اُٹھاؤ گے۔ ہر ایک کام پر تبلیغ کو مقدم کرو اور پھر جو زائد ذمہ داری اپنے اوپر ڈالی ہے اسے نبھاؤ۔

جس طرح بعض بظاہر خیر نظر آنے والی باتیں تکلیف کا موجب ہو جاتی ہیں اسی طرح بعض تکلیف دہ نظر آنے والی باتیں راحت و آرام کا موجب بھی ہو جاتی ہیں۔ قرآن کریم نے عَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ کے ساتھ عَسٰٓی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ[2] بھی فرمایا ہے۔ یہ ایک زائد بوجھ جو آپ لوگوں نے خود اُٹھایا ہے بہت سی طبائع پر بارِ گراں ہو گا لیکن یہ اب اصولی سوال بن گیا ہے اور سارے ہندوستان سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ممکن ہے زیادہ وقت لے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں کمزور طبع والے بہانے بنانے لگیں گے اس لئے میں ان سے کہتا ہوں کہ قرآن کریم نے بتایا ہے بعض بُری نظر آنے والی چیزیں بھی خیر کا موجب ہو جایا کرتی ہیں۔ پس اگر اسے بُرا بھی سمجھو تو یاد رکھو اس سے بھی ایسے اسباب پیدا ہو سکتے ہیں جو اسلام و احمدیت کے استحکام کا موجب ہوں۔ لیکن یہ یاد رکھو بُزدل نہ دنیا میں پسندیدہ ہے نہ دین میں۔ مؤمن کو بہادر ہونا چاہیئے وہ کبھی بُزدل نہیں ہوتا اور کسی سے ڈرا نہیں کرتا اپنے اندر اور اپنی اولادوں کے دلوں میں دلیری پیدا کرو۔ اپنے بچوں کے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر دو کہ ایک مسلمان ہزاروں غیر مسلموں پر بھاری ہوتا ہے اور اسلام اور ایمان کی جرأت کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں میں ایک جنگ ہو رہی تھی جس میں بقول اسلامی مؤرخین عیسائی فوج کی تعداد دس لاکھ تھی لیکن عیسائی صرف چار لاکھ بتاتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں اسلامی لشکر صرف ساٹھ ہزار تھا۔ گویا ایک ایک مسلمان کے مقابلہ میں چھ چھ سات سات دوسرے لوگ تھے اور دس لاکھ کا اندازہ صحیح ہو تو گویا ایک مسلمان کے مقابلہ میں تیس

تیس عیسائی تھے۔لڑائی نے طُول کھینچا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے صحابہ کو مشورہ کے لئے طلب کیا اور پوچھا اب کیا کرنا چاہئے؟ ایک صحابی (حضرت خالد بن ولیدؓ) نے کہا آپ نے ہی ان عیسائیوں کو سر چڑھا رکھا ہے اور وہ سمجھنے لگے ہیں ہمارے مقابلہ کے لئے ساٹھ ہزار مسلمانوں کی ضرورت ہے حالانکہ صرف ساٹھ آدمیوں سے ان کا مقابلہ کرنا چاہئے آپ مجھے ساٹھ آدمی دیں میں ان پر حملہ کرتا ہوں۔ اصل میں تو میں تیس ہی چاہتا تھا لیکن مسلمانوں کی جان پر رحم کر کے میں نے ساٹھ کہے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس میں تأمّل کیا لیکن آخرکار دوسروں کے مشورہ سے ساٹھ آدمی تیار ہو گئے۔ انہوں نے تدبیر یہ کی کہ لشکر کے درمیان میں کمانڈر کھڑا تھا جس پر کہ جنگ کا انحصار تھا کیونکہ اُس زمانہ میں جنگ کا یہی دستور تھا۔ جب کمانڈر مارا جاتا تو فوج بھاگ جاتی تھی۔ اب تو چونکہ نظام بہت وسیع ہو گیا ہے اس لئے کمانڈر کے مارے جانے کا لڑنے والوں کو علم بھی نہیں ہوتا لیکن اس زمانہ میں ایسا نہ تھا اس لئے انہوں نے قلبِ لشکر پر حملہ کر دیا اور اُس وقت تک دم نہ لیا جب تک کہ **ماہان پر** جو کمانڈر تھا حملہ نہ کر دیا۔ اس کے اردگرد کے جرنیل مارے گئے اور وہ خود بھاگ گیا جس پر فوج بھی بھاگ گئی۔ اگرچہ بعد میں اور صحابہ نے بھی حملہ کر دیا لیکن ابتداء انہیں لوگوں نے کی اور اگرچہ ان میں سے اکثر شہید ہو گئے لیکن جو کام وہ کرنا چاہتے تھے کر گئے۔ سو مومن کبھی بُزدل نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ شام سے اطلاع آئی کہ خطرناک جنگ ہو رہی ہے اور اسلامی فوج کو کمک کی ضرورت ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے معدی کربؓ کو جو ایک صحابی تھے اور بڑے زبردست پہلوان تھے بھیجا اور لکھا کہ معدی کربؓ کو جو ایک ہزار کفار کے لئے کافی ہے تمہاری مدد کے لئے بھیجتا ہوں۔ اگر آج کوئی ایسا کرے تو شاید اسے پاگل خیال کیا جائے۔ پس یاد رکھو یقین اور ایمان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ دنیا میں تعداد سے اتنا کام نہیں نکلتا جتنا جرأتِ ایمانی سے۔ مؤمن جس وقت خدا پر یقین رکھتے ہوئے مستانہ وار نکلتا ہے تو لوگوں کی آنکھیں خود بخود اس کے آگے جُھکتی چلی جاتی ہیں۔ جنگِ حنین میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے اور مقابل پر چار ہزار تیر انداز تھے۔ لیکن آپ

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب
أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

کہتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جارہے تھے۔[3] اُس وقت کیا چیز تھی جو کفار کو اس بات سے روکے ہوئے تھی کہ بڑھ کر آپ کے گرد حلقہ کرکے گرفتار کر لیتے۔ کیوں اُن کی تلواریں میانوں سے نہیں نکلتی تھیں؟ وہ رسول کریم ﷺ کا یہی یقین اور وثوق تھا کہ خدا میرا مددگار ہے اور وہ مجھے نقصان نہیں پہنچنے دے گا۔ جس طرح ایک اژدہا کے سامنے پرندہ مسحور ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا اسی طرح وہ لوگ بھی مسحور تھے۔ پس اپنے اندر ایمان پیدا کرو، اسلام پیدا کرو اور یقین پیدا کرو پھر مَیں ضامن ہوں کہ دنیا کی کوئی قوم تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ جب تک کسی کے اندر ایمان نہ ہو اُسی وقت تک وہ بُزدل ہوتا ہے لیکن جس کے ساتھ خدا ہو اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم میں سچا ایمان اور اخلاص بھر دے۔ ہمارے دلوں میں وہ نور ہو جو خاص اسی سے آتا ہے یہی نور ہمارے آگے ہو، ہمارے پیچھے ہو، ہمارے دائیں ہو، ہمارے بائیں ہو، ہمارے نیچے ہو، ہمارے اوپر ہو۔ غرضیکہ سر سے پاؤں تک ہم اسی نور میں آ جائیں اور نور بن جائیں۔ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

(الفضل ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

۱؎ PITT دو ہوئے ہیں اور دونوں ہی برطانیہ کے وزیراعظم رہ چکے ہیں۔

(i) WILLIAM PITT THE ELDER (۱۷۰۸ء۔۱۷۷۸ء)

۱۷۳۵ء میں پارلیمنٹ کا ممبر منتخب ہوا۔ ۱۷۶۶ء میں جارج سوم نے اسے ''ارل آف چیتھم'' کا خطاب دیکر وزیراعظم بنا دیا۔

(پاپولر۔ تاریخ انگلستان صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۴۰ء)

(ii) PITT WILLIAM THE YOUNGER (۱۷۵۹ء۔۱۸۰۶ء)

ولیم پٹ کا دوسرا بیٹا جو ۱۷۸۳ء سے لیکر ۱۸۰۱ء تک برطانیہ کا وزیراعظم رہا۔ 24 سال کی عمر تھی کہ وزیراعظم بنا دیا گیا۔ یہ برطانوی تاریخ کا مشہور وزیراعظم تھا۔

(دی انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۱۴ صفحہ ۴۷۵ تا ۴۸۱)

۲؎ البقرۃ: ۲۱۷

۳؎ بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالی و یوم حنین اذ اعجبتکم ......الخ